Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 5 (July-September 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Dard-e-Dil: An analysis of the concept of pain and suffering in Mir's poetry

دردِ دل: میر کی شاعری میں درد اور مصائب کے تصور کا تجزیہ

Iftikhar Muhammad
SST(G), GHS Katlang, (Mardan),

Nawab Ali
PhD (Scholar) University of Peshawar,

Taimur Khan
PhD (Scholar) Islamia College University Peshawar.

Abstract

Mir Taqi Mir Should it be referred to as a portrayal of the age, Mir's poetry would not be out of place in this context. It is unavoidable that the environment and society have an effect on each and every human being. Due to the fact that the environment is more sensitive to the sensitive nature, it is very necessary to study the present surroundings of any poet or writer in order to comprehend them. In the background of the anguish and suffering that can be discovered in Mir's poetry is evidence of his own personal history. Uncertainty, possessions that were of little value to him, the indifference of those he loved, and the failure of love were the elements that had a significant impact on his mental state.

Keywords: Mir Taqi Mir, Poetry, Society, Suffering, Personal experience.

تعارف

میر تقی میر جن کا اصل نام میر محمد تقی تھا، ان کا آخری نام میر اتھا۔ اردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام ایسا تھا کہ بعد کے نقادوں اور شاعروں نے انہیں "خدا" کا خطاب دیا۔ وہ اپنے دور کے منفرد شاعر تھے۔ اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے:[1]

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا [2]

میر تقی میر آگرہ میں 1723 میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد علی تھا لیکن وہ علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔ میر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد کے دوست سید امان اللہ سے حاصل کی لیکن مزید تعلیم سے قبل سید امان اللہ کا انتقال ہو گیا جب وہ ابھی نو سال کے تھے۔ ان کی پرورش ان کے والد نے کی لیکن وہ بھی چند ماہ بعد فوت ہو گئے۔ یہاں سے میر کی زندگی میں غم کا ایک طویل باب شروع ہوا۔ روزی روٹی کی تلاش میں دہلی آکر نواب کے پاس ملازمت حاصل کی۔ لیکن جب نواب جنگ میں مر گیا تو میر آگرہ واپس آگئے۔ لیکن وقت گزر نہ سکا۔ چنانچہ وہ دوبارہ دہلی گئے اور اپنے چچا سراج الدین آرزو کے پاس ٹھہرے۔ سوتیلے بھائی کے اکسانے پر خان آرزو بھی پریشان ہو گیا۔ میر ادور تباہی اور بدامنی کا دور تھا۔ ہر جگہ سختیوں اور مشکلات کو برداشت کرنے کے بعد میر گوشِ امن کی تلاش میں لکھنؤ چلے گئے۔ اور سفر کی سختیوں کے بعد لکھنؤ پہنچ گئے۔ ان کی نظمیں وہاں مقبول ہوئیں۔ نواب آصف الدولہ نے تین سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ اور میر آرام سے رہنے لگی۔ لیکن غصے میں وہ کسی بات پر غصے میں آکر عدالت سے نکل گیا۔ پچھلے تین سالوں میں اس کی جوان بیٹی اور اس کی بیوی کی موت نے صدمے کو مزید بڑھا دیا ہے۔ آخر کار اکلم سکھنا کا یہ حرمین نصیب شاہ 87 سال کی عمر میں لکھنؤ کی بانہوں میں انتقال کر گیا۔ میر کی زندگی کے بارے میں معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ان کی تصنیف "ذکر میر" ہے، جو ان کے آخری ایام تک بچپن پر محیط ہے۔ میر نے اپنی زندگی کے چند دن مغل دہلی میں گزارے۔ اس وقت پرانی دہلی میں جس جگہ وہ رہتے تھے اسے کوچہ چلم کہا جاتا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:[3]

"میر طغی میر جب لکھنؤ گئے تو انہوں نے گاڑی کا پورا کرایہ بھی نہیں دیا۔ جب ناچار نے اپنے آپ کو کسی خاص شخص سے جوڑ لیا تو اس نے دہلی کے خدا کو حافظ کہہ کر پکارا۔ میں تھوڑا آگے چلا، ایک آدمی نے کچھ کہا۔ وہ اس سے منہ موڑ گئے۔ کچھ دیر بعد میر صاحب پھر غصے میں آئے اور بولے: قبلہ صاحب آپ نے کرایہ ادا کر دیا یقیناً میں گاڑی میں ہوں۔ لیکن باتوں کا کیا کریں! اس نے کہا۔ کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو، وہ چیزوں میں تھوڑا سا دخل دیتا ہے کیونکہ یہ اس کا کام ہے۔ میر صاحب نے غصے سے کہا۔ یہ تمہارا کام ہے۔ میری زبان کی مہارت ناقص ہے۔ جب ہم لکھنؤ پہنچے تو ایک سرائے میں اترے، جیسا کہ مسافروں کا معمول ہے۔ مشیر آج یہاں ہیں۔ وہ وہاں ٹھہر نہ سکا، وہ اسی وقت غزل لکھ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مشیرہ میں شامل ہو گئے۔ اس کا انداز قدیم تھا۔ کھڑکی والی پگڑی، 50 گز کا لباس، اس کی کمر کے گرد پٹا ہوا ایک لائف سائز پستول، ایک تہہ شدہ رومال اور 100 سینٹی میٹر چوڑا باقاعدہ نائٹ گاؤن اور سانپ کی کھال کا تکیہ ڈیڑھ، اس کی کمر کے ایک طرف پرس، ایک دوسری طرف سیدھی تلوار، دوسری طرف ایک چاقو، اس کے ہاتھ میں منتر، گروپ میں داخل ہوتے ہی انہوں نے یہی دیکھا۔ لکھنؤ شہر، ایک

CC BY

نیا انداز، نیا روپ، اختلافی نوجوانوں کا ایک ہجوم جمع تھا اور سب ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے سامنے ایک جلتی ہوئی شمع میر صاحب کو دیکھا تو سب نے دیکھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا! حضور کی جائے پیدائش کہاں ہے؟ میر صاحب نے اس کام کو غزل میں درج کیا۔"

ہر شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہے۔ اس کے ارد گرد کے واقعات، حادثات، اس کی ذاتی زندگی کے تجربات اور ان کے تاثرات ہی اس کی شاعری اور فن کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ماحول اور معاشرے میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پر اس کی سوچ کا رخ بھی بدل جاتا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری وقت کی رفتار کے ساتھ مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ ان کی سیاسی، سماجی، گھریلو اور معاشی بدامنی کے دور میں پیدا ہوئی۔ مغلوں کا مرکز کمزور ہو گیا۔ ہندوستان کے کئی صوبے آزاد ہو گئے اور پورے ملک کو لوٹ لیا گیا۔ غیر ملکی قابض آئے روز حملہ کر کے لوگوں اور املاک کو تباہ کرتے ہیں۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے اور دولت میں کمی آئی، معاشی بدحالی کے دور کا آغاز ہوا۔ میر اپنے وقت کے زوال اور انسانی مصائب کا مجسمہ ہے۔ ان کی شاعری ان تمام شکستوں کے خلاف ایک غیر منظم احتجاج ہے۔ میر اکے تصور غم کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:[4]

"میر کے سب سے بڑے موضوعات شاعری ان کی اداسی ہے۔ نظم کا مرکزی موضوع "غم والم" ہے۔ یہ دکھ میر کا ذاتی دکھ تھا اور انسانیت کی ابدی قسمت کا دکھ۔ یہ تمام فکریں میر کی نظموں میں جمع ہیں۔"

غم و حزن

زندگی کے بارے میں میر کا نظریہ بالکل واضح ہے: زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ خزنیہ تھا۔ خازن غم کا نام ہے جس میں سوچ اور تخلیق دونوں شامل ہیں۔ اس غم میں ذاتی مقاصد اور ذاتی مقاصد کی کوئی پرت نہیں ہے۔ اس غم میں غور و فکر، غور و فکر اور غور و فکر شامل ہے۔ میر کے بارے میں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میر قنوطی شاعر ہیں یا محض یاسیت کا شکار ہیں۔ سوگوار ہونا اتنا اہم نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ انسان مصائب کے باوجود زندگی کا کیسے مقابلہ کرتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کے تصور کو تشکیل دیتا ہے۔ زندگی کی طرف میر کا رویہ مایوسی سے نہیں بلکہ صرف اداسی ہے۔ لیکن یہ غم ہمیں زندگی سے نفرت کرنا نہیں سکھاتا بلکہ اس کے برعکس ہمیں جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ آپ اس میں زندگی کی پوری توانائی محسوس کر سکتے ہیں۔[5]

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا [6]

چشم رہتی ہے اب پر آب بہت
دل کو میرے ہے اضطراب بہت [7]

متصل روتے رہیے تو بجھے آتش دل
ایک دو اشک تو اور آگ لگا دیتے ہیں [8]

میر کی دردمندی

میر کے نزدیک درد ان کے فلسفہ غم کا دوسرا نام ہے۔ اس نے فلسفہ کا لفظ استعمال نہیں کیا، لیکن اس کا مطلب بالکل یہی تھا۔ ہمدردی کا مطلب ہے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پہچاننا اور سمجھنا اور انہیں حتی الامکان کم کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ درد ان کی زندگی کے تضادات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ درد کی جڑ دماغ ہے بیت میر کو یاد رکھیں:[9]

سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا
سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیئے لوگوں کو
شہر دلی میں ہے سب پاس نشانی اس کی
میان سے نکلی ہی پڑتی تھی تمہاری تلوار
کیا عوض چاہ کا تھا خصمی جانی اس کی
آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے
دردمندی میں گئی ساری جوانی اس کی
اب گئے اس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی [10]

زندگی کے مختلف شعبوں کی اقدار کی بے حرمتی کی گئی۔ انسانی خون کی سستی، میر کے عدم استحکام اور عالمی انسانی تباہی نے انسانیت کو بہت متاثر کیا ہے۔ میر نہ صرف اس تباہی کی تماشائی تھی بلکہ خود بھی اس تباہ شدہ معاشرے کی ایک رکن تھی۔ جو صدیوں پرانے روابط کے نظام کی برداشت کی بدولت تسبیح کے بیجوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اور اب میں اسے جوڑ نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس ماحول کا اثر واضح طور پر محسوس کیا۔ اس تباہی کے آثار ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ بوسیدہ بستیوں، شہروں اور کچی بستیوں کے حالات، جلتے دلوں کی تصویریں، زمانے کی دھندلی دھول تمثیلوں اور استعاروں کی صورت میں مجھ میں موجود ہے۔[11]

روشن ہے اس طرح دل ویراں میں داغ ایک
اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک [12]

دل کی ویرانی کا کیا مذکور
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گا [13]

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے [14]

میر کو زندگی سے بیزار شاعر کے طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا غم شاعری کی موت سے مختلف ہے جو ہمیشہ موت کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کا غم ایک مہذب اور زخمی آدمی کا ہے جو ایسی پر کشش جگہ اور ایسی ظالمانہ غربت میں زندگی کے تضادات کو گہرا محسوس کرتا ہے۔ دکھ کی اس میر میں چکی نہیں مرتی۔ وہ فوجی ذہنیت رکھتے ہیں۔ فوجی ساز و سامان کے استعارے کو معنی دیتے ہوئے یہ ایک بزدلانہ، ادھوری زندگی کا احساس دلاتی ہے۔ تذکرہ کے لوگ جس رویے کو بے حس یا گھٹیا قرار دیتے ہیں وہ دراصل احتجاج کا رویہ اور تمام سپاہیوں کا رویہ ہے۔[15]

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میر معلوم ہے قلندر تھا [16]

بہت آرزو تھی گلی کی تیری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے [17]

حوصلہ شرط عشق ہے ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا [18]

میر گفتگو کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے میر کبھی وہ خود سے "بات" کرتے ہیں، اور کبھی کسی دوسرے شخص سے۔ کبھی میر بلبلوں سے بات کرتا اور کبھی موم بتیوں سے۔ ان تمام حالات میں نظم، ابلاغ اور خلوص کا رنگ برقرار رکھتی ہے۔ ایک جانی پہچانی اور پیار بھری آواز کانوں تک پہنچتی ہے جو اپنی مانوس دلکشی سے قاری یا سامع کو فوراً اپنے دائرے میں کھینچ لیتی ہے اور وہ خود بخود میر صاحب کی ان بے ساختہ اور مخلصانہ گفتگو سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔[19]

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے [20]

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا [21]

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اُسی خانہ خراب کی سی ہے [22]

بارے میر میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو [23]

شاعروں نے اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کو دل کے استعارے میں فصاحت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ جس طرح انسانی اعضاء کی تمام حرکتوں کا مرکزی محور دل ہے اسی طرح سلطنت کا مرکز اس کا سرمایہ ہے۔ زیر نظر زمانہ ہندوستان کا دارالحکومت دہلی تھا، دہلی جو صدیوں سے اس ملک کا دل رہا، شاعروں نے دہلی کی تباہی کو دل کی ویرانی سے تشبیہ دی ہے اور پورے جسم کی تباہی کی داستان بیان کی ہے۔[24]

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی [25]

خاک بھی سر پر ڈالنے کو نہیں
کس خرابے میں ہم ہوئے آباد [26]

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا [27]

میر میں عدم استحکام کا احساس اردو شاعری میں غالب ہے۔ تقریباً تمام شاعروں نے اس موضوع پر بات کی ہے۔ لیکن لگتا ہے کہ داستان دہلی کے شعراء میں عدم استحکام کا احساس زیادہ سنگین ہے۔ خاص طور پر میر تقی میر کی تمام نظمیں میر کے عدم استحکام کو بہت واضح الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ اس وقت کی عدم تحفظ اور ہنگامی صورتحال تھی۔ اس لیے ان کی نظموں میں بوریت اور عدم استحکام جیسے موضوعات نمودار ہوئے۔[28]

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا [29]

غور کرکے وہیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میر اک بلبلا تھا پانی کا [30]

میر کا تصور غم

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے [31]

میر اردو کے پہلا شاعر ہے، اور شاید آخری، جس نے زندگی جیسے موضوع پر سنجیدگی سے کام کیا۔ میر کو بچپن سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ اس نے بچپن میں ہی شاعری کا مطالعہ شروع کیا۔ میں نے اپنی زندگی انتہائی غربت اور تنگدستی میں گزاری۔ وہ دس سال کے تھے کہ والد کا سایہ غائب ہو گیا۔ میر ساری زندگی غم اور پریشانی میں مبتلا رہی۔ میر کی نظموں میں غم کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہاں اس کا ذاتی غم آفاقیت کے احساس سے پیوست ہے۔ اس کے غم پر میر کے شعور کی ایک جھلک کا غلبہ ہے۔ میر کا غم اپنی ذات تک محدود نہیں، پوری انسانیت کا غم ہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد میرا کو جن تجربات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا، کسی بھی شاعر کے لیے اس کا خیال رکھنا مشکل ہے۔ شاعر کے کلام کی سب سے بڑی خوبی اس کے کلام کی تاثیر ہے۔ اگرچہ میر کی تقریر کو اس معیار سے پرکھا جاتا ہے، لیکن شاعروں میں تو ان پہلے نمبر پر ہے۔ ان کی نظمیں شعلہ بیان ہیں اور زبان سے نکلتے ہی دل کو چھو جاتی ہیں۔ اور آج بھی لوگ ان کے کلام کو شوق سے پڑھتے ہیں۔ اگرچہ میر کی نظموں کے الفاظ نرم، نرم اور سادہ ہیں لیکن ان کے پیچھے غصے کا ایک بنیادی احساس چھپا ہوا ہے۔ غصے کا درد چھپا ہوا ہے۔ الفاظ کی نرمی اور ترتیب کی سادگی لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ میر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔[32]

ہمارے آگے تراجب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
بڑی سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا [33]

میر کے کلام میں محبت ہے لیکن ان کی نظموں میں اکثر اخلاق و حکمت کا خوشگوار اظہار ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت میں فرق ہے۔ میر کی نظمیں رومانوی اور دانشمندانہ دونوں طرح کی مایوسی پر مشتمل ہیں۔

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہے گا [34]

کوئی خاص موضوع یا مسئلہ نہیں ہے لیکن نظمیں دردناک ہیں۔ دوسری آیت اس کو بہت تکلیف دہ بناتی ہے۔ یہ خوبصورتی اور فصاحت میری تقریر کا حصہ ہے لیکن پھر بھی میں زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوا۔

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میر معلوم ہے قلندر تھا [35]

میر کو کسی بات کا صدمہ نہیں، وہ تقدیر کا شکر گزار ہے۔ اسے ہر شم کی دلکشی کا یقین ہے۔[36]

کیا شب ہوئی زمانے میں جو پھر نہ ہوا روز
کیا ای شب فراق تجھی کو سحر نہیں [37]

محبت کا یہ یقین ان لوگوں کا نہیں جنھوں نے زندگی کا آسان راستہ چھوڑ دیا ہے بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے زندگی کا مشکل راستہ چھوڑ دیا ہے۔ میر کی قرات میں بہت سے اشعار ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ میر زندہ ہے۔ ان کی کئی نظمیں مزاح سے بھرپور ہیں جو آپ کو ہنسانے پر مجبور کر دیں گی۔

پھر میر آج مسجدِ جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا [38]

میر کے عدم اطمینان کی ایک اور وجہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ ایک عظیم شاعر ہیں لیکن اپنے وقت کے مختلف حالات کی وجہ سے انہیں وہ پذیرائی نہیں ملی جس کے وہ مستحق تھے۔ اسے اپنی انفرادیت کا گہرا احساس تھا۔ ایک طرف اسے اپنے کمال اور عظمت کا شدید احساس تھا لیکن دوسری طرف وہ اپنی بے بسی اور بے بسی سے مغلوب تھے۔ میر کا غم صرف ذاتی نہیں ہے کیونکہ جب ساری میر مظلوم ہے تو حساس شاعر اپنے ذاتی دکھ پر ماتم نہیں کر سکتا۔ اس لیے میر کا غم اس کے پورے دور کا غم بن جاتا ہے۔[39]

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں
تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا
اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ہے
کل اُس کو دیکھو تم، نہ تاج ہے نہ سر
جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا [40]

مجھے ادبی حلقوں میں شاعرائے کے نام سے بھی جانا جاتا ہے لیکن ان کی نظموں کو نشتر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی تمام نظمیں ان کے دل سے نکلتی ہیں اور ان کا اثر براہ راست پڑھنے والوں کے دلوں پر پڑتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اِک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
بے نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا [41]

میر کی ایک اور مشہور غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ کس خوبصورت انداز میں آپ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیمارء دل نے، آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں، ہم کو عبث بدنام کیا
یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کی، یا دن کو جوں توں شام کیا [42]

جہاں سے آپ میر کا دیوان پڑھنا شروع کرتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے کوئی شعر بلند آواز سے نکلے۔ اسی لیے خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

جہاں سے دیکھیے یک شعر شور انگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
تغزل کا ایک اور خوبصورت رنگ دیکھیں کہ
دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق میر اک بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے [43]

میر کے کلام میں تڑپ، ناکام محبت، محرومیوں اور ناکامیوں کا سلسلہ بے مثال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخلاص اور خلوص کی کیفیت ہے۔ اس نے میر کے غم کو ایک آفاقیت بخشی ہے۔

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے [44]

میر کی محبت عظیم اور دور رس ہے اور اس کے کانوں میں واقعی محبت کا جذبہ رچ رہا ہے۔ میرئ قلندر اور صوفیہ کی برادری میں ایسے چنیدہ لوگ ہیں جو اس ساری کائنات کو محبت کا مظہر سمجھتے ہیں۔

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے [45]

میر میں ماتم کا رنگ کچھ تیز ہے لیکن ان کے غم زدہ اشعار پڑھنے سے وہ غم میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم بہت پر لطف لگتا ہے اور وہ ان کے غم میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ ان کے لہجے کی دھیما پن اور طنزیہ اسلوب قارئین کے دلوں میں تلخی کے بجائے نرمی پیدا کرتا ہے۔ ان کے غم میں خلوص اور سچائی ہے۔ ان کے غم میں بیٹھنے کی بجائے حرکت و ہنگامہ اور زندگی کی گرمی ہے۔

بے قراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں
محض ناکارہ بھی مت جان ہمیں تو کہ کہیں
ایسے ناکام بھی بے کار پھرا کرتے ہیں
جہاں سے دیکھیے اک شعر شور نگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر میرے دیواں کا [46]

میر ان شاعروں میں سے ہیں جو اپنی حقیقت سے بہت واقف تھے۔ اسی لیے وہ اکثر اپنی نظموں میں شاعرانہ طلسم کا استعمال کرتے تھے۔ وہ اپنی بات کرتا ہے، میر کو سب نے اپنی نظر میں مقام دیا ہے، افتخار عشاء، دیکھو، میر تقی میر کا تعلق اردو شاعری کے اس دور سے ہے جسے اردو شاعری کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اردو شاعری کو میر جیسا شاعر نصیب ہوا جس کا طرز تحریر

غم کو عالمگیر بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد حسین "اب حیات" اور میر کی مشہور کتاب "پوائنٹس آف پوئٹس" میں اس زمانے کے صرف دو شاعروں کو جانتے ہیں، جن میں سے بعض کے نزدیک وہ خود ہیں اور دوسرے ہیں۔

سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا!!![47]

خراج تحسین میر جیسے استاد کے لیے میری ناقص نظر میں:

بچپن میں جس نے غزل خوانی کے جھنڈے گاڑے
غزل چمن میں ناصر عندلیب کچھ یوں پکارے
ہر دور کی آواز رہیں گے میر خو ش نصیب ہمارے
غم اورانسو دے کر گیسو غزل کے خوب سنوارے[48]

حاصل بحث

اس میں کوئی شک نہیں کہ میر اردو ادب میں غزل کے سب سے بڑے استاد ہیں۔ اور ہر وقت ان بعد والوں نے اس کا فائدہ اٹھایا ہے۔ ویسے میر نے شاعری کی مختلف اصناف میں ہاتھ آزمایا۔ لیکن غزالی میں ان کا درجہ سب سے بلند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میر نے جس کامیابی اور کمال کے ساتھ غزل پیش کی وہ ان کی بدولت تھی۔ احساسات کی شدت، تجربات کی گہرائی، موضوعات کی شدت، درد اور غم وغیرہ۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے مل کر عالمی شہنشاہ غزالی اور امام غزالی کو بنایا۔ جو ہمیشہ سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔

کتابیات

1. جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اُردو،جلد دوم،مجلس ترقی ادب،لاہور،۲۰۰۹،
2. جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اُردو،جلد سوم،مجبل ترقی ادب،لاہور،مطبع ہشتم،دسمبر،۱۶
3. سراج السلام،سید،پروفیسر،اُردو ادب کا ارتقا،غضنفر اکیڈمی،پاکستان،کراچی،۲۰۰۳
4. سلیم اختر،ڈاکٹر،اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،انتیسواں ایڈیشن،۲۰۱۴
5. سودا،محمد رفیع،دیوان سودا،مرتبہ،ہاجرہ ولی الحق،نظامی پریس،لکھنو،۱۹۸۵،
6. شکیل الرحمان،میر کی جمالیات،عُرفی پبلی کیشنز،ہریانہ،۲۰۱۱،
7. عبدالحق،مولوی،ڈاکٹر،مقدماتِ عبدالحق،
8. عظمیٰ نورین،ڈاکٹر،میر کی شخصیت وشاعری کا مختصر فکری مطالعہ،مشمولہ،مضمون،رسالہ،اخبارِ اُردو،اسلام آباد،ماہ،جولائی،۲۰۱۴
9. غالب نامہ،مجلہ،میر نمبر،مدیر،عبدالودود دیگر،مشمولہ مضمون،میر کی زبان،نثار احمد،فاروقی،پروفیسر،غالب انسٹیٹیوٹ،نئ دلی،جولائی ۲۰۰۱ء
10. غالب،مرزا،خاں،اسد اللہ،دیوان غالب(نسخہ حمیدیہ)،مرتبہ،مہر افشاں فاروقی،یونی ورسٹی آف ورجینیا،۲۰۱۵
11. غلام رسول،مہر،مولانا،مرزا غالب اور میر تقی میر،مشمولہ،مضمون،رسالہ آجکل،دلی،سن(ندارد)
12. کامل قریشی،ڈاکٹر،اُردو غزل(مرتبہ)،مشمولہ مضمون،میر غزل گو کی حیثیت سے،خواجہ احمد فاروقی،اُردو اکادمی دلی،۱۹۷۸
13. محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،دیوان پنجم،
14. محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،دیوان چہارم
15. محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،دیوان دوم
16. محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی اُردو،بہاوالدین ذکریا،یونی ورسٹی،ملتان،۲۰۱۴
17. محمد ساجد ریحان،تدوین دیوان میر(دیوان ششم)،غیر مطبوعہ مقالہ،پی ایچ ڈی،بہاوالدین ذکریایونیورسٹی،ملتان،۲۰۱۰ء
18. محمد ساجد ریحان،تدوین دیوان میر،غیر مطبوعہ مقالہ،پی ایچ ڈی،بہاوالدین ذکریایونیورسٹی،ملتان،۲۰۱۰ء،
19. محمد یعقوب،میر تقی میر کے ادبی معرکے،مکتبہ اُردو،دلی،جون،۱۹۷۱
20. مرزا غالب،دیوانِ غالب جدید،مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی،بھوپال،1982
21. میر تقی میر،دعوان میر،جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ،کلچر اینڈ لیگویجز،1973
22. میر تقی میر،اشعار میر،لالہ رام نرائن لال،الہ آباد،1935ء
23. میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۱)،۱۸۲۵ء
24. میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۵)،۱۸۲۵ء
25. نثار احمد فاروقی،خواجہ،اُردو غزل،مشمولہ مضمون،میر غزل گو کی حیثیت سے
26. نثار احمد فاروقی،خواجہ،،اُردو غزل(مرتبہ)،کامل قریشی،مشمولہ مضمون،میر غزل گو کی حیثیت سے،اُردو اکادمی دلی،۱۹۷۸

حوالہ جات

[1] غالب،مرزا،خاں،اسد اللہ،دیوان غالب(نسخہ حمیدیہ)،مرتبہ،مہر افشاں فاروقی،یونی ورسٹی آف ورجینیا،۲۰۱۵،ص:۱۹۴

[2] مرزا غالب،دیوانِ غالب جدید،مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی،بھوپال،1982ء ص-193

[3] کامل قریشی،ڈاکٹر،اُردو غزل(مرتبہ)،مشمولہ مضمون،میر غزل گو کی حیثیت سے،خواجہ احمد فاروقی،اُردو اکادمی دلی،۱۹۷۸،ص:۹۵

[4] محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی اُردو،بہاوالدین ذکریا،یونی ورسٹی،ملتان،۲۰۱۴،ص:۱۷۶

[5] محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،دیوان دوم،ص:۱۷۱

[6] میر تقی میر،اشعار میر،لالہ رام نرائن لال،الہ آباد،1935ء،ص-۱۲۱

[7] میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۵،غزل نمبر ۱۵۸۶)،۱۸۲۵ء،ص-۲۹۷

[8] میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۱،غزل نمبر ۰۲۹۱)،۱۸۲۵ء،ص-۳۰۲

[9] سلیم اختر،ڈاکٹر،اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،انتیسواں ایڈیشن،۲۰۱۴،ص:۱۷۲

[10] میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۲،غزل نمبر ۳۹۷)،۱۸۲۵ء،ص-۲۹۹

[11] محمد ساجد خان،تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر،دیوان چہارم،ص:۶۸۰

[12] میر تقی میر،اشعار میر،لالہ رام نرائن لال،الہ آباد،1935ء،ص-۱۸۷

[13] میر تقی میر،دعوان میر،جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ،کلچر اینڈ لیگویجز،1973،ص-۳۱۷

[14] میر تقی میر،دعوان میر،جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ،کلچر اینڈ لیگویجز،1973،ص-۲۱۷

[15] غلام رسول،مہر،مولانا،مرزا غالب اور میر تقی میر،مشمولہ،مضمون،رسالہ آجکل،دلی،سن(ندارد)ص:۵۸

[16] میر تقی میر،میریات(دیوان نمبر ۱،غزل نمبر ۱۰۷)،۱۸۲۵ء،ص-۲۱۷

CC BY

17 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱، غزل نمبر ۹۱)، ۱۸۲۵ء، ص-۱۷۷

18 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱، غزل نمبر ۱۱٤)، ۱۸۲۵ء، ص-۱٤۲

19 محمد ساجد خان، تدوین دیوان غزلیات میر تقی میر، دیوان پنجم، ص:۷۰۱

20 میر تقی میر، دعوان میر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لیگویجز، 1973، ص-۱۷٤

21 میر تقی میر، دعوان میر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لیگویجز، 1973، ص-۱۷٦

22 میر تقی میر، اشعار میر، لالہ رام نرائن لال، الہ آباد، 1935ء، ص-۲۷۱

23 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱)، ۱۸۲۵ء، ص-۲۷٤

24 عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، مقدماتِ عبدالحق، ص:٦

25 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ٥)، ۱۸۲٥ء، ص-۲۸۷

26 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ٥)، ۱۸۲٥ء، ص-217

27 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ٥)، ۱۸۲٥ء، ص-۲۸۷

28 عظمٰی نورین، ڈاکٹر، میر کی شخصیت و شاعری کا مختصر فکری مطالعہ، مشمولہ، مضمون، رسالہ، اخبارِ اُردو، اسلام آباد، ماہ، جولائی، ۲۰۱۴، ص:۳۲

29 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱)، ۱۸۲٥ء، ص-۲۷٤

30 میر تقی میر، اشعار میر، لالہ رام نرائن لال، الہ آباد، 1935ء، ص-۱٦۷

31 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱)، ۱۸۲٥ء، ص-۳۱۷

32 محمد ساجد ریحان، تدوین دیوان میر، غیر مطبوعہ مقالہ، پی ایچ ڈی، بہاوالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۰ء، ص:۱۱٦

33 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ۱)، ۱۸۲٥ء، ص-۳۷٤

34 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ٥)، ۱۸۲٥ء، ص-۳۱۷

35 میر تقی میر، میریات (دیوان نمبر ٥)، ۱۸۲٥ء، ص-۱۷٤

36 جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد سوم، مجبل ترقی ادب، لاہور، مطبع ہشتم، دسمبر، ۱٦ص:۴٦۱

37 میر تقی میر، دعوان میر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لیگویجز، 1973، ص-۳٤۱

38 سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، انتیسواں ایڈیشن، ۲۰۱۴

39 محمد یعقوب، میر تقی میر کے ادبی معرکے، مکتبہ اُردو، دلی، جون، ۱۹۷۱، ص:٦۵

40 نثار احمد فاروقی، خواجہ، اُردو غزل، مشمولہ مضمون، میر غزل گو کی حیثیت سے

41 محمد ساجد ریحان، تدوین دیوان میر (دیوان ششم)، غیر مطبوعہ مقالہ، پی ایچ ڈی، بہاوالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۰ء، ص:۲۰۷

42 غالب نامہ، مجلہ، میر نمبر، مدیر، عبدالودود دیگر، مشمولہ مضمون، میر کی زبان، نثار احمد، فاروقی، پروفیسر، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دلی، جولائی ۲۰۰۱ء، ص:۵۷

43 نثار احمد فاروقی، خواجہ، اُردو غزل (مرتبہ)، کامل قریشی، مشمولہ مضمون، میر غزل گو کی حیثیت سے، اُردو اکادمی دلی، ۱۹۷۸، ص:۹۵

44 سراج السلام، سید، پروفیسر، اُردو ادب کا ارتقا، غنضفر اکیڈمی، پاکستان، کراچی، ۲۰۰۳، ص:۴۴

45 شکیل الرحمان، میر کی جمالیات، عُرفی پبلی کیشنز، ہریانہ، ۲۰۱۱، ص:۴۱

46 نثار احمد فاروقی، خواجہ، اُردو غزل، مشمولہ مضمون، میر غزل گو کی حیثیت سے، ص:۹۹

47 جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹، ص:۴۵۵

48 سودا، محمد رفیع، دیوان سودا، مرتبہ، ہاجرہ ولی الحق، نظامی پریس، لکھنو، ۱۹۸۵، ص:۲٦۳

CC BY